Cosmos Multidisciplinary Research E-Journal
Online Available at www.cmrj.in
Recognized International Peer Reviewed Journal
Impact Factor 5.69
ISSN No. 2456-1665

سیاسی مزاحمت، سماجی بغاوت: فیض اور نرالا کی شاعری میں انقلاب کے دو راستوں کا تقابلی مطالعہ

Political Resistance, Social Rebellion: A Comparative Study of the Two Roads to Revolution in the Poetry of Faiz and Nirala

ڈاکٹر محمّد عظیم الدین
Dr. Mohammed Azeemuddin
Head, Dept. of Urdu
Arts Commerce College, Yeoda,
Tq. Daryapur, Dist. Amravati, Maharashtra
Email: azeemshazli@gmail.com

تلخیص (Abstract)

یہ تحقیقی مقالہ 20ویں صدی کے دو اہم ترین جنوبی ایشیائی شعراء، فیض احمد فیض (اردو) اور سوریاکانت ترپاٹھی 'نرالا' (ہندی) کا ایک گہرا تقابلی مطالعہ پیش کرتا ہے۔ یہ تحقیق اس روایتی خیال کو چیلنج کرتی ہے کہ "انقلابی شاعری" کا بیانیہ یکساں ہوتا ہے۔ اس کے برعکس، یہ مقالہ اس مرکزی مقدمے (central thesis) کو پیش کرتا ہے کہ اگرچہ دونوں شعراء مارکسی نظریات سے متاثر تھے اور ایک منصفانہ سماج کا خواب دیکھتے تھے، لیکن ان کے انقلابی منصوبے کی نوعیت اور ترجیحات بنیادی طور پر مختلف تھیں۔ فیض کا احتجاجی محور 'ریاست' (The State) اور اس کے سیاسی و معاشی ڈھانچے تھے؛ ان کے نزدیک سیاسی انقلاب سماجی تبدیلی کی پہلی شرط تھی۔ اس کے برعکس، نرالا کا بنیادی ہدف 'سماج' (The Society) اور اس کے داخلی، فرسودہ ڈھانچے (ذات پات، مذہبی ریاکاری، پدرشاہی) تھے؛ ان کے نزدیک سماجی اور روحانی انقلاب کے بغیر سیاسی تبدیلی بے معنی تھی۔ یہ مقالہ ثابت کرتا ہے کہ ان کی فنی حکمتِ عملیاں، یعنی فیض کی 'غنائی مزاحمت' (Lyrical Resistance) اور نرالا کی 'روایت شکن بغاوت' (Formal Rebellion)، محض اسلوبیاتی انتخاب نہیں، بلکہ اپنے اپنے اہداف کے حصول کے لیے اختیار کی گئی شعوری اور ثقافتی طور پر مربوط حکمتِ عملیاں تھیں۔ یہ تحقیق "انقلابی شاعری" کی تعریف کو مزید پیچیدہ بناتی ہے اور اردو و ہندی ادبی روایات کے درمیان ایک نیا اور گہرا تقابلی مکالمہ قائم کرتی ہے۔

Keywords (کلیدی الفاظ): فیض احمد فیض، سوریاکانت ترپاٹھی 'نرالا'، تقابلی ادب، انقلابی شاعری، ریاست بمقابلہ سماج، مابعد نوآبادیاتی نظریہ، مارکسی تنقید، غنائی مزاحمت، روایت شکنی۔

باب 1: تعارف: مقدمہ اور منہج

1.1 تحقیقی مسئلہ: جنوبی ایشیا کی انقلابی شاعری کی از سرِ نو تشکیل

20ویں صدی کے جنوبی ایشیا میں "انقلابی شاعری" کے تصور کو اکثر ایک یکساں اور واحد نظریاتی اکائی کے طور پر دیکھا جاتا ہے، جس کی نمائندگی ترقی پسند تحریک کرتی ہے۔ یہ تحقیق اس عمومی اور سادہ بیانیے کو چیلنج کرتی ہے۔ اس مقالے کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ نوآبادیاتی دور

کے خاتمے اور نئی قومی ریاستوں کے قیام کے پیچیدہ تاریخی تناظر میں، "انقلاب" کا تصور خود ایک یکساں نظریہ نہیں تھا، بلکہ اس کی مختلف اور بعض اوقات متضاد تعبیریں موجود تھیں۔ اس کی سب سے بڑی مثال اردو کے نمائندہ شاعر فیض احمد فیض (1911-1984) اور ہندی کے باغی شاعر سوریاکانت ترپاٹھی 'نرالا' (1896-1961) کے تخلیقی منصوبوں میں موجود بنیادی فرق ہے۔ یہ دونوں شخصیات جدید ہندوستانی شعور کی دو مختلف صورتوں کی نمائندگی کرتی ہیں، اور ان کا تقابلی مطالعہ ہمیں "انقلاب" کے تصور کی از سرِ نو تشکیل پر مجبور کرتا ہے۔

1.2 :مرکزی مقدمہ (Central Thesis)

یہ تحقیقی مقالہ اس مرکزی مقدمے کو پیش کرتا ہے کہ اگرچہ فیض اور نرالا دونوں مارکسی نظریات سے متاثر تھے اور ایک منصفانہ سماج کا خواب دیکھتے تھے، لیکن ان کے احتجاج کا بنیادی محور (Primary Axis of Protest) اور انقلابی حکمتِ عملی کا نقطۂ آغاز (Starting Point of Revolutionary Strategy) ایک دوسرے سے یکسر مختلف تھا۔

فیض کے نزدیک، ایک جابر 'ریاست' (The State) ہی فرسودہ 'سماج' کو قائم رکھتی ہے، لہٰذا سیاسی انقلاب سماجی تبدیلی کی پہلی اور ناگزیر شرط ہے۔ ان کا بنیادی ہدف سامراج، آمریت اور استحصالی معاشی ڈھانچے جیسے ریاستی ادارے تھے۔

اس کے برعکس، نرالا کے نزدیک، ایک فرسودہ اور داخلی طور پر منقسم 'سماج' (The Society) ہی ایک جابر 'ریاست' کو جنم دیتا اور قائم رکھتا ہے، لہٰذا سماجی اور روحانی انقلاب کے بغیر سیاسی تبدیلی بے معنی اور سطحی ہے۔ ان کا بنیادی ہدف ذات پات، مذہبی ریاکاری اور پدرشاہی جیسے داخلی سماجی ڈھانچے تھے۔

یہ ترجیحات کا فرق ہی ان کے 'انقلابی موضوع' کی تشکیل (یعنی وہ کس کو انقلاب کے لیے تیار کر رہے ہیں) اور ان کی فنی حکمتِ عملی (یعنی وہ شاعری کو بطور ہتھیار کیسے استعمال کرتے ہیں) کو متعین کرتا ہے۔

1.3 :منہجِ تحقیق: ایک مربوط نظریاتی فریم ورک

اس مقدمے کو ثابت کرنے کے لیے، یہ مقالہ ایک جدلیاتی اور مربوط منہج (Dialectical and Integrated Methodology) اختیار کرے گا۔ یہ مطالعہ مختلف نظریات کو الگ الگ خانوں میں نہیں رکھتا، بلکہ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ مکالمے میں لاتا ہے:

- **مابعد نوآبادیاتی نظریہ (Postcolonial Theory):** سب سے پہلے، ہم انیا لومبا (Loomba, 2015) کے نظریات کی روشنی میں اس تاریخی تناظر کا تجزیہ کریں گے جس میں فیض اور نرالا لکھ رہے تھے، یعنی نوآبادیاتی ریاست کے خاتمے اور نئی قومی ریاستوں کے بحران۔
- **مارکسی تنقید (Marxist Criticism):** اس کے بعد، ہم مارکسی تنقید، بالخصوص انتونیو گرامچی (Antonio Gramsci) کے تصورِ "ثقافتی بالادستی" (Cultural Hegemony) اور کلاسیکی مارکسزم کے "Base/Superstructure" ماڈل (بحوالہ Eagleton, 1976) کو استعمال کرتے ہوئے یہ پرکھیں گے کہ فیض اور نرالا بالترتیب سیاسی اور ثقافتی بالادستی کو کس طرح چیلنج کرتے ہیں۔
- متنی تحلیل (Textual Analysis): آخر میں، متنی تحلیل کے ذریعے ہم یہ ثابت کریں گے کہ فیض اور نرالا کے درمیان ترجیحات کا یہ نظریاتی فرق ان کی شاعری کی زبان، علامتوں، اور ہیئت (Form) میں کیسے ظاہر ہوتا ہے۔

1.4 :موجودہ تحقیق کا جائزہ اور مقالے کا نیا پن

فیض اور نرالا پر انفرادی سطح پر لاتعداد تحقیقی کام موجود ہیں (بحوالہ ملک، 1999؛ شرما، 1973)۔ اردو-ہندی تقابلی مطالعات کی روایت بھی موجود ہے (بحوالہ قریشی، 1987)، لیکن اب تک کوئی ایسی جامع تحقیق موجود نہیں جو ان دونوں کے انقلابی منصوبوں کا اس بنیاد پر تقابل کرے کہ ان کے نزدیک جبر کا بنیادی منبع (Primary Locus of Oppression) کیا تھا: ریاست یا سماج؟

موجودہ تحقیق اسی تنقیدی خلا (critical gap) کو پُر کرتی ہے۔ اس مقالے کا نیا پن (Novelty) یہ ہے کہ یہ برصغیر کی "انقلابی شاعری" کی یکساں تعریف کو چیلنج کرتا ہے اور اسے 'سیاسی انقلاب' (Political Revolution) اور 'سماجی انقلاب' (Social Revolution) کے دو مختلف لیکن باہم مربوط ماڈلز میں تقسیم کرتا ہے، اور ثابت کرتا ہے کہ فیض اور نرالا ان دو مختلف ماڈلز کے سب سے بڑے نمائندے ہیں۔ یہ تحقیق نہ صرف ان دو شعراء کی تفہیم کو گہرا کرتی ہے، بلکہ جنوبی ایشیا میں جدیدیت، سیاست اور ادب کے رشتے پر ہونے والی بحث میں بھی ایک اہم علمی اضافہ ہے۔

1.5 مقالے کا خاکہ (Structure of the Thesis)

- باب 1: تعارف: موضوع کا جامع تعارف، تحقیقی مقدمہ، مقاصد، منہجِ تحقیق، اور موجودہ تحقیق کا جائزہ۔
- باب 2: فیض احمد فیض: ریاست کے خلاف غنائی مزاحمت۔
- باب 3: سوریاکانت ترپاٹھی 'نرالا': سماج کے خلاف روایت شکن بغاوت
- باب 4: تقابلی تجزیہ: انقلاب کے دو راستے—ایک جدلیاتی مطالعہ۔
- باب 5: اختتامیہ: نتائج، علمی Contribution، اور عصری معنویت۔
- **باب 6: کتابیات۔**

باب 2: فیض احمد فیض: ریاست کے خلاف غنائی مزاحمت

2.1 : فکری پس منظر: سامراج، آمریت اور سرد جنگ کی تثلیث

فیض احمد فیض کی شاعری کا مرکزی حریف اور بنیادی ہدف 'ریاست' (The State) اور اس کے جابرانہ ادارے ہیں۔ ان کا فکری اور تخلیقی سفر ان ریاستی ڈھانچوں کے خلاف ایک مسلسل اور منظم مزاحمت کی داستان ہے جن کا انہوں نے اپنی زندگی میں سامنا کیا۔ اول، برطانوی سامراج، جس کے خلاف انہوں نے ترقی پسند تحریک (Progressive Writers' Movement) کے ایک فعال رکن کے طور پر لکھا۔ دوم، آزادی کے بعد کی پاکستانی قومی ریاست، جو بہت جلد جمہوری بحرانوں کا شکار ہو کر فوجی آمریتوں کے تسلط میں آ گئی۔ ریاست کے اسی جبر نے فیض کو راولپنڈی سازش کیس (1951) جیسے مقدمات میں قید و بند کی صعوبتیں دیں، جو ان کے شعری سفر میں ایک فیصلہ کن موڑ ثابت ہوا (Malik, 1999)۔ سوم، عالمی سامراجی سیاست اور سرد جنگ کا ماحول، جس نے تیسری دنیا کے ممالک کو اپنی پراکسی جنگوں کا اکھاڑا بنا رکھا تھا۔

فیض کے نزدیک، فرد کی آزادی اور سماجی انصاف کا راستہ ریاست کے اس استحصالی کردار کو چیلنج کیے بغیر ممکن نہیں تھا۔ ان کا مارکسی نقطہ نظر ریاست کو محض ایک غیر جانبدار انتظامی ڈھانچہ نہیں، بلکہ حکمران طبقے (Bourgeoisie) کے مفادات کا محافظ سمجھتا ہے (Eagleton, 1976)۔ لہٰذا، فیض کے لیے سماجی ناانصافیوں (غربت، جہالت، بیماری) کی اصل جڑ ایک استحصالی سیاسی اور معاشی نظام تھا، جسے ریاست قائم رکھتی ہے۔ اس لیے، ان کا انقلابی منصوبہ بنیادی طور پر ایک سیاسی منصوبہ ہے جس کا مقصد ریاست کی نوعیت کو بدلنا ہے۔

2.2 : احتجاج کے موضوعات: ریاست کے خلاف ایک جامع فرد جرم

فیض کی شاعری ریاست کے مختلف روپوں پر ایک جامع فرد جرم کی حیثیت رکھتی ہے۔

الف: نوآبادیاتی ریاست پر تنقید اور آزادی کا ادھورا خواب:

ان کی شہرہ آفاق نظم "صبحِ آزادی (اگست 1947)" محض تقسیمِ ہند کا نوحہ نہیں، بلکہ یہ اس 'داغدار' اور کھوکھلی آزادی پر ایک گہری تنقید ہے جو برطانوی سامراج نے برصغیر کے عوام کو ورثے میں دی۔

یہ داغ داغ اُجالا، یہ شب گزیدہ سحر

وہ انتظار تھا جس کا، یہ وہ سحر تو نہیں

.....

ابھی گرانیٔ شب میں کمی نہیں آئی
نجاتِ دیدہ و دل کی گھڑی نہیں آئی

(فیض، نسخہ ہائے وفا، 2006)

یہاں فیض اس سرکاری بیانیے کو مسترد کر رہے ہیں جو آزادی کو ایک مکمل فتح کے طور پر پیش کر رہا تھا۔ ان کے نزدیک یہ آزادی ادھوری ہے کیونکہ اس نے عوام کی حقیقی نجات (معاشی اور سماجی انصاف) کو یقینی نہیں بنایا۔ یہ نظم مابعد نوآبادیاتی ریاست (Postcolonial State) کے اس المیے کی طرف اشارہ کرتی ہے جہاں حکمرانوں کے چہرے تو بدل جاتے ہیں، لیکن استحصالی ڈھانچہ برقرار رہتا ہے (Loomba, 2015)۔ یہ آزادی عوام کے لیے نہیں، بلکہ ایک نئے مقامی حکمران طبقے کے لیے تھی۔

ب: قومی ریاست اور آمریت پر تنقید: جبر کی جمالیات:

"دستِ صبا" (1952) اور "زنداں نامہ" (1956) میں ان کا احتجاج ریاستی جبر کے خلاف اپنے عروج پر پہنچ جاتا ہے۔ نظم "ہم دیکھیں گے" براہِ راست سیاسی اقتدار کے خاتمے کا ایک انقلابی اعلان ہے۔ یہ محض ایک نظم نہیں، بلکہ ایک متبادل سیاسی منشور (Alternative Political Manifesto) ہے:

جب تخت گرائے جائیں گے اور تاج اچھالے جائیں گے

.....

بس نام رہے گا اللہ کا، جو غائب بھی ہے حاضر بھی
اٹھے گا "انا الحق" کا نعرہ، جو میں بھی ہوں اور تم بھی ہو

(فیض، نسخہ ہائے وفا، 2006)

اس نظم میں قرآنی استعارات کا استعمال محض مذہبی نہیں، بلکہ یہ ایک انتہائی شعوری سیاسی عمل ہے۔ یہاں "اللہ کا نام" اور "خلقِ خدا" عوام کی حاکمیت (Popular Sovereignty) کی علامت بن جاتے ہیں، اور "انا الحق" کا نعرہ منصور حلاج کے صوفیانہ تجربے سے نکل کر ہر شہری کے سیاسی حقِ خود ارادیت کا اعلان بن جاتا ہے۔ یہ ریاست کی مطلق طاقت کے مقابلے میں فرد کی طاقت کا اعلان ہے۔

2.3 : فیض کا 'انقلابی موضوع': اجتماعی سیاسی شعور کا حامل شہری

فیض کی شاعری جس 'انقلابی موضوع' (Revolutionary Subject) کو تشکیل دیتی ہے اور جس سے وہ مخاطب ہیں، وہ بنیادی طور پر ایک سیاسی شناخت رکھتا ہے۔ ان کے ہیرو سیاسی قیدی، انقلابی کامریڈ، طالب علم، اور مزدور ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ریاست کے ساتھ اپنے تعلق (rights and duties) سے آگاہ ہیں اور اس کے استحصالی کردار کو چیلنج کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ فیض کا انقلابی موضوع ایک اجتماعی 'ہم' (The Collective 'We') ہے، نہ کہ کوئی تنہا فرد۔ نظم "اے دلِ بے تاب ٹھہر" میں وہ اسی انقلابی شہری کو ایک لمبی اور کٹھن جدوجہد کے لیے تیار کر رہے ہیں:

شاید کہ نکل آئے کوئی اور بھی صیاد
شاید کہ یہ دن ہم پہ ستم اور بھی کچھ ہوں

.....

اے دلِ بے تاب ٹھہر، ابھی آزار بہت ہیں
ابھی گلزار میں پوشیدہ کئی خار بہت ہیں

(فیض، نسخہ ہائے وفا، 2006)

یہاں شاعر اپنے انقلابی ساتھیوں کو بتا رہا ہے کہ جدوجہد لمبی اور کٹھن ہے، اور اس کے لیے صبر اور استقامت کی ضرورت ہے۔ یہ ایک ایسے سیاسی شعور کی آبیاری ہے جو فوری نتائج کی توقع نہیں رکھتا، بلکہ ایک طویل تاریخی عمل پر یقین رکھتا ہے۔ ان کا انقلابی موضوع جذباتی نہیں، بلکہ تاریخی شعور سے لیس ہے۔

2.4 : عشق کا سیاسی استعارہ: مزاحمت کی جمالیات اور حکمتِ عملی

فیض کا سب سے بڑا فنی کمال اور ان کی شاعری کی دائمی اپیل اس بات میں ہے کہ وہ "عشق" کے ذاتی اور رومانوی تجربے کو ریاست کے ساتھ اپنے تعلق، یعنی جبر، امید اور مزاحمت کو بیان کرنے کے لیے ایک طاقتور سیاسی استعارے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ان کے ہاں "محبوب" اکثر "انقلاب" یا "آزادی" کا استعارہ بن جاتا ہے، اور "رقیب" جابر "ریاست" کی علامت۔ یہ حکمتِ عملی ان کی شاعری کو ایک ایسی تہہ داری عطا کرتی ہے جو اسے ہر دور اور ہر قسم کے جبر کے خلاف مزاحمت کی آواز بنا دیتی ہے۔

کب ٹھہرے گا درد اے دل، کب رات بسر ہوگی
سنتے تھے وہ آئیں گے، سنتے تھے سحر ہوگی

(فیض، نسخہ ہائے وفا، 2006)

یہ شعر بظاہر محبوب کے انتظار کا شعر ہے، لیکن اپنے سیاسی سیاق و سباق میں یہ انقلاب یا آزادی کی صبح (سحر) کے انتظار کا استعارہ ہے۔ اسی طرح نظم "رقیب سے" میں وہ روایتی رقیب کو ایک نئے معنی دیتے ہیں، جہاں وہ اور رقیب، دونوں ایک ہی محبوب (ایک بہتر دنیا) کے عاشق اور ایک ہی سماجی جبر کا شکار ہیں، اور اس طرح رقیب کو بھی ایک ممکنہ کامریڈ کے طور پر دیکھتے ہیں۔ یہ ان کے سیاسی وژن کی وسعت اور ان کی مفاہمانہ حکمتِ عملی کو ظاہر کرتا ہے، جہاں وہ دشمنوں کی صفوں میں بھی اتحادی تلاش کرتے ہیں۔

2.5 : نتیجہ: سیاسی انقلاب بطور سماجی تبدیلی کی ناگزیر شرط

فیض کے تخلیقی منصوبے کا گہرا تجزیہ یہ ثابت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک سماجی ناانصافیوں کی اصل جڑ ایک استحصالی سیاسی اور معاشی نظام ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ جب تک ریاست کا یہ جابرانہ ڈھانچہ موجود ہے، سماجی اصلاحات (جیسے غربت کا خاتمہ یا تعلیم کا فروغ) سطحی اور بے معنی رہیں گی۔ ان کے لیے، اصل مسئلہ سماج کی سوچ نہیں، بلکہ وہ نظام ہے جو اس سوچ کو پیدا کرتا اور قائم رکھتا ہے۔ لہٰذا، ان کا انقلابی راستہ ریاست کی ساخت کو بدلنے سے شروع ہوتا ہے۔ ان کے لیے، سیاسی انقلاب ہی حقیقی سماجی تبدیلی کی واحد کنجی اور پہلی ناگزیر شرط ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جو انہیں نرالا کے انقلابی منصوبے سے ممتاز کرتا ہے، جس کا جائزہ اگلے باب میں لیا جائے گا۔

باب 3: سوریاکانت ترپاٹھی 'نرالا': سماج کے خلاف روایت شکن بغاوت

3.1 : فکری پس منظر: داخلی استبداد کی تشخیص

سوریاکانت ترپاٹھی 'نرالا' (1896-1961) کا تخلیقی منصوبہ ہندوستانی سماج کے تین بنیادی داخلی تضادات کے خلاف ایک منظم فکری محاذ آرائی ہے: ذات پات کا نظام، مذہبی ریاکاری، اور پدرشاہی۔ اگر فیض کا تجزیہ ایک خارجی اور سیاسی 'ریاست' پر مرکوز ہے، تو نرالا کا تجزیہ ایک داخلی اور ثقافتی 'سماج' پر ہے۔ ان کے نزدیک، سیاسی آزادی (Political Freedom) اس وقت تک ایک بے معنی اور کھوکھلا نعرہ ہے جب تک فرد کو ان داخلی سماجی اور ذہنی غلامیوں سے روحانی آزادی (Spiritual Emancipation) حاصل نہ ہو۔ ان کا مارکسی شعور طبقاتی استحصال کو تسلیم کرتا ہے، لیکن وہ اس کی جڑیں سماجی ڈھانچے کی فرسودگی میں تلاش کرتے ہیں۔ ان کا بنیادی مقدمہ یہ ہے کہ ایک غیر منصفانہ اور درجہ بندی پر مبنی سماج، منطقی طور پر، ایک جابرانہ ریاست کو ہی جنم دے سکتا ہے۔ لہٰذا، ان کا انقلابی منصوبہ سیاسی تبدیلی سے پہلے ایک سماجی اور ثقافتی انقلاب کا متقاضی ہے۔

3.2 :احتجاج کے موضوعات: سماج کے خلاف ایک بے باک فرد جرم

نرالا کی شاعری سماج کے ان داخلی ناسوروں پر ایک بے باک اور براہِ راست فرد جرم کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ فیض کی رمزیت کے بجائے اکثر سفاک حقیقت نگاری کا سہارا لیتے ہیں تاکہ سماجی تضادات کو پوری وضاحت کے ساتھ بے نقاب کیا جا سکے۔

الف: ذات پات اور طبقاتی نظام پر کاری ضرب:

نظم "وہ توڑتی پتھر" میں ایک دلت مزدور عورت کی تصویر کشی کے ذریعے، وہ سماجی بے حسی کو بے نقاب کرتے ہیں۔ اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر، نظم "جاگو پھر ایک بار" (Jago Phir Ek Baar - Awaken Once More) میں وہ براہِ راست دلتوں اور پسماندہ طبقات کو اپنی غلامی کی زنجیریں توڑنے کا پیغام دیتے ہیں۔ وہ انہیں ان کے شاندار تاریخی ورثے کی یاد دلا کر ان کے اندر خودی اور غیرت کو بیدار کرتے ہیں:

जागो फिर एक बार!

समर में अमर कर प्राण,

गान गाए महासिंधु-से

.....

तुम हो महान, तुम सदा हो महान,
है नश्वर यह दीन भाव

(निराला, परिमल, 1930)

(اردو ترجمہ: جاگو، ایک بار پھر جاگو! تم نے میدانِ جنگ میں اپنی جان امر کرکے عظیم سمندروں جیسے گیت گائے تھے۔ ..... تم عظیم ہو، تم ہمیشہ سے عظیم ہو، یہ کمتری کا احساس تو عارضی ہے۔)

یہاں نرالا صرف دکھ کا بیان نہیں کر رہے، بلکہ وہ ذہنی غلامی (Mental Slavery) پر حملہ آور ہیں اور ایک نفسیاتی اور روحانی انقلاب کی دعوت دے رہے ہیں۔

ب: مذہبی ریاکاری اور اشرافیہ پر طنز:

"کُکُرمُتّا" میں وہ 'گلاب' کو اشرافیہ کی علامت بنا کر طنز کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ، ان کی شاہکار نظم "رام کی شکتی پوجا" (Ram ki Shakti Puja) میں وہ مذہبی بیانیے کو ہی چیلنج کر دیتے ہیں۔ وہ رام کو ایک مافوق الفطرت اوتار کے بجائے ایک گہرے انسانی کرب، شک اور مایوسی سے گزرتے ہوئے ایک فانی انسان کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ جب رام جنگ میں ناکامی کے خوف سے ٹوٹ جاتے ہیں تو ان کے یہ الفاظ روایتی مذہبی تصورات پر ایک گہرا سوال ہیں:

"धिक् जीवन को जो पाता ही आया है विरोध,

धिक् साधन जिसके लिए सदा ही किया शोध।"

(निराला, अनामिका, 1938)

(اردو ترجمہ: "لعنت ہے اس زندگی پر جسے ہمیشہ مخالفت ہی ملی، لعنت ہے اس مقصد پر جس کے لیے ہمیشہ جدوجہد ہی کی۔")

ایک دیوتا کو اس قدر انسانی سطح پر دکھا کر، نرالا دراصل مذہب کو آسمانوں سے اتار کر زمین پر لے آتے ہیں اور یہ پیغام دیتے ہیں کہ عظمت بغیر جدوجہد اور دکھ کے ممکن نہیں۔ یہ مذہبی ریاکاری کے خلاف ایک انتہائی لطیف اور گہرا حملہ ہے۔

ج: پدرشاہی نظام اور عورت کا استحصال:

نظم "ودھوا" (Vidhwa) میں وہ ایک بیوہ کی سماجی تنہائی کو بیان کرتے ہیں۔ لیکن نرالا صرف عورت کی مظلومیت نہیں دکھاتے، بلکہ وہ اس کی آزادانہ خواہش (Female Agency and Desire) کا بھی جشن مناتے ہیں، جو اس دور کے لیے ایک انتہائی باغیانہ قدم تھا۔ نظم "جوہی کی کلی" (Juhi ki Kali) میں وہ جوہی کی کلی کو ایک ایسی نوجوان دوشیزہ کے طور پر پیش کرتے ہیں جو اپنے محبوب 'پون' (ہوا) کا بے تابی سے انتظار کر رہی ہے اور اس کے وصل کے لیے بے قرار ہے:

सोती थी सुहाग-भरी—स्नेह-स्वप्न-मग्न,

अमल-कोमल-तनु तरुणी—जूही की कली,

(निराला, परिमल, 1930)

(اردو ترجمہ: محبت بھرے خوابوں میں ڈوبی، سہاگن کی طرح سو رہی تھی، ایک پاکیزہ، نازک بدن دوشیزہ،جوہی کی کلی۔)

یہاں عورت کو ایک خواہش رکھنے والی فعال ہستی کے طور پر پیش کرنا براہِ راست پدرشاہی کے اس تصور کو چیلنج کرتا ہے جو عورت کو محض ایک غیر فعال اور خواہشات سے پاک وجود سمجھتا ہے۔

3.3 : نرالا کا 'انقلابی موضوع': باغی اور آزاد 'میں'

فیض کے اجتماعی 'ہم' کے برعکس، نرالا کا 'انقلابی موضوع' اکثر ایک تنہا، باغی اور آزاد فرد ('میں') ہوتا ہے جو پورے سماجی نظام سے ٹکراتا ہے۔ نظم "میں اکیلا" (Main Akela) کے علاوہ، ان کی ایک اور نظم "باندھو نہ ناو اس ٹھانو، بندھو" (Baandho na naav is thaav, bandhu) اس باغیانہ روح کی بہترین عکاس ہے:

बाँधो न नाव इस ठाँव, बंधु,

पूछेगा सारा गाँव, बंधु!

.....

वह चिक्कन पथ, फिसलन है,

यह पैर ठहरने का क्षण है

(निराला, गीतिका, 1936)

(اردو ترجمہ: اس کنارے پر ناؤ مت باندھو، اے دوست، ورنہ سارا گاؤں سوال کرے گا! ..... وہ راستہ چکنا ہے، پھسلن ہے، اور پیر ٹھہرنے کا لمحہ نازک ہے۔)

یہاں شاعر روایتی اور محفوظ راستوں پر رکنے سے انکار کرتا ہے اور ایک انجان اور مشکل سفر پر نکلنے کو ترجیح دیتا ہے۔ یہ اس انفرادی بغاوت کی علامت ہے جو سماجی دباؤ کو قبول نہیں کرتی۔

3.4 : فنی حکمتِ عملی: روایت سے بغاوت اور 'مکت چھند'

نرالا کی فنی حکمتِ عملی ان کے سماجی نظریات کا براہِ راست عکس ہے۔ جس طرح وہ سماجی بندھنوں کو توڑنا چاہتے تھے، اسی طرح انہوں نے شعری بندھنوں کو بھی توڑا۔ ہندی شاعری میں "مکت چھند" (آزاد نظم) کا تعارف محض ایک فنی تجربہ نہیں تھا، بلکہ یہ سنسکرت اور کلاسیکی ہندی شاعری کے سخت قواعد و ضوابط کے خلاف ایک سماجی بغاوت تھی۔ ڈاکٹر رام ولاس شرما (Sharma, 1973) کے مطابق، "نرالا کا 'مکت چھند' دراصل شاعری کو برہمنی اجارہ داری سے آزاد کروا کر اسے عوام کی فطری بول چال کے قریب لانے کی ایک کوشش تھی۔" یہ ان کے اس یقین کا ثبوت تھا کہ مواد (Content) اپنی ہیئت (Form) خود تخلیق کرتا ہے۔

3.5 :نتیجہ: سماجی انقلاب بطور سیاسی تبدیلی کی ناگزیر بنیاد

نرالا کے تخلیقی منصوبے کا گہرا تجزیہ یہ ثابت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک سیاسی نظام کی خامیاں دراصل سماج کی داخلی بیماریوں کا نتیجہ ہیں۔ ایک ایسا سماج جو ذات پات، مذہبی ریاکاری اور پدرشاہی پر قائم ہو، وہ کبھی ایک حقیقی جمہوری اور منصفانہ سیاسی نظام کو پروان نہیں چڑھا سکتا۔ لہٰذا، ان کا انقلابی راستہ فرد کی ذہنی اور روحانی آزادی سے شروع ہوتا ہے۔ ان کے لیے، سماجی اور ثقافتی انقلاب ہی حقیقی سیاسی تبدیلی کی واحد بنیاد اور پہلی ناگزیر شرط ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جو انہیں فیض کے انقلابی منصوبے سے ممتاز کرتا ہے، جس کا تفصیلی موازنہ اگلے باب میں کیا جائے گا۔

باب 4: تقابلی تجزیہ: انقلاب کے دو راستے:ایک جدلیاتی مطالعہ

فیض احمد فیض اور سوریاکانت ترپاٹھی 'نرالا' کا تقابلی مطالعہ محض موضوعاتی مماثلتوں کا احاطہ نہیں کرتا، بلکہ یہ 20ویں صدی کے برصغیر میں انقلابی جمالیات (Revolutionary Aesthetics) کی دو مختلف، لیکن باہم مربوط، شکلوں کا تجزیہ ہے۔ یہ باب اس مرکزی مقدمے کو ثابت کرتا ہے کہ ان کے مختلف شعری اسالیب دراصل اپنے اپنے ثقافتی ورثے اور سیاسی ماحول سے پیدا ہونے والی مزاحمتی حکمتِ عملیاں ہیں، جو ایک ہی مشترک نظریاتی مقصد کی تکمیل کرتی ہیں۔ ان کا فرق ہی ان کی اصل طاقت ہے۔

4.1 :ایک ہی زمین، دو مختلف دشمن: جبر کی تشخیص اور ترجیحات کا فرق

اگرچہ فیض اور نرالا دونوں نے ریاست اور سماج، دونوں پر تنقید کی، لیکن ان کے احتجاج کا بنیادی زور (Primary Thrust) اور انقلابی حکمتِ عملی کا نقطۂ آغاز (Starting Point of Revolutionary Strategy) مختلف تھا۔

الف: فیض کا تجزیہ: سیاسی اور معاشی ڈھانچہ:

فیض کے لیے، بنیادی مسئلہ ریاست اور اس سے وابستہ طبقاتی و معاشی نظام ہے۔ نظم "نثار میں تری گلیوں کے" میں وہ براہِ راست ریاست کے عدالتی اور انتظامی ڈھانچے کو ہدف بناتے ہیں:

بنے ہیں اہلِ ہوس مدعی بھی، منصف بھی
کسے وکیل کریں، کس سے منصفی چاہیں
(فیض، نسخہ ہائے وفا، 2006)

یہاں "اہلِ ہوس" صرف افراد نہیں، بلکہ وہ پورا حکمران طبقہ ہے جس نے ریاست پر قبضہ کر رکھا ہے۔ فیض کے نزدیک، سماجی تبدیلی کا راستہ ریاست کے اس ڈھانچے کو بدل کر ہی ممکن ہے۔

ب: نرالا کا تجزیہ: سماجی اور ثقافتی ڈھانچہ:

اس کے برعکس، نرالا کے لیے بنیادی مسئلہ سماج اور اس کا داخلی، فرسودہ ثقافتی اور مذہبی ڈھانچہ ہے۔ نظم "بھکشُک" (Bhikshuk) میں وہ بھکاری کی حالتِ زار کا ذمہ دار کسی حکومت یا پالیسی کو نہیں، بلکہ براہِ راست سماجی بے حسی کو ٹھہراتے ہیں:

वह आता,
दो टूक कलेजे के करता, पछताता पथ पर आता।
(निराला, अनामिका, 1923)

(اردو ترجمہ: وہ چلا آ رہا تھا، ایسی حالت میں کہ دل کے دو ٹکڑے ہو جائیں، وہ پچھتاوے میں ڈوبا راستے پر چلا آ رہا تھا۔)
یہاں المیہ ریاستی جبر کا نہیں، بلکہ ایک ایسے سماج کا ہے جو اپنے ہی ایک فرد کو اس حالت میں دیکھ کر بھی لاتعلق رہتا ہے۔

4.2 : مارکسزم کی دو تعبیریں: کلاسیکی بمقابلہ ثقافتی

دونوں شعراء مارکسی نظریات سے متاثر تھے، لیکن ان کی تعبیریں مختلف تھیں۔
فیض کا مارکسزم زیادہ کلاسیکی اور معاشی (Classical and Economic) ہے۔ وہ طبقاتی جدوجہد کو پیداواری رشتوں کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک ریاست ہی وہ 'Superstructure' ہے جسے بدلنا ضروری ہے تاکہ معاشی 'Base' کو تبدیل کیا جا سکے۔
نرالا کا مارکسزم ثقافتی مارکسزم (Cultural Marxism) کے زیادہ قریب ہے، جیسا کہ بعد میں انتونیو گرامچی (Antonio Gramsci) نے پیش کیا۔ نرالا سمجھتے تھے کہ اصل جنگ ثقافتی بالادستی (Cultural Hegemony) کے محاذ پر لڑی جاتی ہے۔ ان کے نزدیک ذات پات اور مذہبی ریاکاری وہ ثقافتی اوزار ہیں جن کے ذریعے حکمران طبقہ عوام پر اپنی ذہنی اور روحانی گرفت مضبوط رکھتا ہے۔ نظم "گُرُمُتّا" میں 'گلاب' کی جمالیاتی بالادستی کو چیلنج کرنا اسی ثقافتی جنگ کا حصہ ہے۔

4.3 :انقلاب کا ہتھیار: روایت کا استعمال بمقابلہ روایت سے انکار

الف: فیض کی حکمتِ عملی: روایت بطور ٹروجن ہارس:

فیض غزل کی مانوس ہیئت کو ایک 'ٹروجن ہورس' (Trojan Horse) کی طرح استعمال کرتے ہیں، جس کے اندر وہ انقلابی پیغام چھپا کر عوام تک پہنچا دیتے ہیں۔ نظم "ہم کہ ٹھہرے اجنبی" میں وہ 'آشنائی' جیسے خالص عشقیہ لفظ کو تقسیمِ بنگال کے سیاسی المیے کے لیے استعمال کرتے ہیں:

ہم کہ ٹھہرے اجنبی اتنی مداراتوں کے بعد
پھر بنیں گے آشنا کتنی ملاقاتوں کے بعد
(فیض، نسخہ ہائے وفا، 2006)

یہاں وہ روایت کو توڑتے نہیں، بلکہ اس کے معنیاتی نظام میں ایک انقلاب (Semantic Revolution) برپا کرتے ہیں۔

ب: نرالا کی حکمتِ عملی: روایت شکنی بطور انقلابی عمل:

اس کے برعکس، نرالا کے لیے کلاسیکی ہندی شاعری کی روایت، اس کے سخت چھند (میٹر)، خود اس برہمنی سماجی نظام کی علامت تھی جسے وہ چیلنج کر رہے تھے۔ لہٰذا، ان کے لیے 'مکت چھند' (آزاد نظم) کا استعمال محض ایک فنی تجربہ نہیں، بلکہ یہ خود ایک انقلابی اور سماجی عمل (Revolutionary and Social Act) تھا۔ نظم "جوہی کی کلی" کی آزاد ہیئت ہی پدرشاہی کے اصولوں سے عورت کی آزادی کا اعلان ہے۔

4.4 :انقلابی کا تصور: اجتماعی 'ہم' بمقابلہ باغی 'میں'

فیض کا انقلابی ایک اجتماعی 'ہم' ('The Collective 'We') ہے۔ وہ ہمیشہ ایک گروہ، ایک طبقے، یا ایک سیاسی جماعت سے مخاطب ہوتے ہیں۔ نظم "دعا" میں وہ تمام ساتھی قیدیوں کو ایک اجتماعی دعا ("آیئے ہاتھ اٹھائیں ہم بھی") میں شامل کرتے ہیں۔ یہ ایک سیاسی انقلاب کا تقاضا ہے جو منظم اجتماعی جدوجہد کے بغیر ممکن نہیں۔
نرالا کا انقلابی اکثر ایک تنہا اور باغی 'میں' ('The Rebellious 'I') ہوتا ہے جو پورے سماج کے خلاف کھڑا ہے۔ نظم "جاگو پھر ایک بار" میں وہ دلتوں اور پسماندہ طبقات کو کسی بیرونی طاقت کا انتظار کرنے کے بجائے اپنی داخلی اور تاریخی طاقت کو پہچاننے کی دعوت دیتے ہیں:

तुम हो महान, तुम सदा हो महान,
है नश्वर यह दीन भाव

(निराला, परिमल, 1930)

(اردو ترجمہ: تم عظیم ہو، تم ہمیشہ سے عظیم ہو، یہ کمتری کا احساس تو عارضی ہے۔)

یہاں انقلاب کا آغاز فرد کی داخلی اور روحانی بیداری سے ہوتا ہے۔

4.5 :مشترکہ زمین: انسانی وقار کی بحالی

ان تمام تر تفاوت کے باوجود، فیض اور نرالا ایک مشترک زمین پر کھڑے ہیں، اور وہ ہے مظلوم انسان کے وقار کی بحالی کا خواب۔ فیض نظم "بول" میں اس عورت کو بولنے کی ہمت دیتے ہیں جسے ریاست اور سماج دونوں نے خاموش کر رکھا ہے:

بول کہ لب آزاد ہیں تیرے
بول، زباں اب تک تیری ہے

(فیض، نسخہ ہائے وفا، 2006)

نرالا نظم "ودھوا" (بیوہ) میں اس عورت کی خاموش عظمت کو بیان کرتے ہیں جسے سماج نے بے زبان کر دیا ہے:

वह इष्ट देव के मंदिर की पूजा सी,
वह दीप-शिख सी शांत, भाव में लीन

(निराला, परिमल, 1930)

(اردو ترجمہ: وہ ایسی ہے جیسے اپنے دیوتا کے مندر کی پوجا ہو، وہ دیے کی لو کی طرح پرسکون اور اپنے ہی خیالوں میں گم ہے۔)

دونوں شعراء بالآخر خاموشی کو توڑنے اور مظلوم کو زبان دینے کی جدوجہد میں شریک ہیں۔ فیض کے نزدیک یہ خاموشی سیاسی ہے، جسے ریاست نافذ کرتی ہے۔ نرالا کے نزدیک یہ خاموشی سماجی ہے، جسے صدیوں کی روایت نے مسلط کیا ہے۔ دونوں کا حتمی مقصد ایک ایسے معاشرے کا قیام ہے جہاں ہر انسان کو انصاف، مساوات اور عزت کے ساتھ جینے اور بولنے کا حق حاصل ہو۔

باب 5: اختتامیہ (Conclusion)

5.1 :نتائج کا خلاصہ: انقلابی شاعری کے دو ماڈل

یہ تحقیقی مقالہ فیض احمد فیض اور سوریاکانت ترپاٹھی 'نرالا' کی شاعری کا تقابلی مطالعہ پیش کرتا ہے، جس کا مقصد "انقلابی شاعری" کی یکساں تعریف کو چیلنج کرنا تھا۔ تحقیق کے نتائج ہمارے مرکزی مقدمے کی بھرپور تصدیق کرتے ہیں کہ فیض اور نرالا برصغیر میں انقلابی شاعری کے دو مختلف لیکن یکساں طور پر اہم ماڈلز کی نمائندگی کرتے ہیں۔

- فیض کا ماڈل: یہ 'سیاسی انقلاب' کا ماڈل ہے، جس کا بنیادی ہدف ریاست اور اس کے جابرانہ ادارے ہیں۔ فیض کے نزدیک، سماجی ناانصافیوں کی اصل جڑ ایک استحصالی سیاسی و معاشی نظام ہے۔ لہٰذا، ان کا انقلابی موضوع ایک اجتماعی اور سیاسی طور پر باشعور 'ہم' ہے، اور ان کی فنی حکمتِ عملی روایت (غزل) کو ایک نئے سیاسی مفہوم کے ساتھ استعمال کرنا ہے۔
- نرالا کا ماڈل: یہ 'سماجی انقلاب' کا ماڈل ہے، جس کا بنیادی ہدف سماج اور اس کے فرسودہ داخلی ڈھانچے (ذات پات، مذہبی ریاکاری، پدرشاہی) ہیں۔ نرالا کے نزدیک، ایک غیر منصفانہ سماج ہی ایک جابر ریاست کو جنم دیتا ہے۔ لہٰذا، ان کا انقلابی موضوع ایک تنہا اور باغی 'میں' ہے جو سماج سے ٹکراتا ہے، اور ان کی فنی حکمتِ عملی روایت شکنی (مکت چھند) ہے۔

یہ فرق محض اسلوبیاتی نہیں، بلکہ یہ ان کے اپنے اپنے تاریخی تجربات، ادبی ورثے، اور انقلابی حکمتِ عملی کی ترجیحات کا منطقی نتیجہ ہے۔

5.2 :مقالے کی علمی (Scholarly Contribution (Contribution

اس مقالے کی منفرد علمی Contribution درج ذیل نکات میں ہے:

- انقلابی شاعری کی نئی درجہ بندی: یہ تحقیق برصغیر کی "انقلابی شاعری" کی یکساں تعریف کو چیلنج کرتی ہے اور اسے 'سیاسی انقلاب' اور 'سماجی انقلاب' کے دو مختلف لیکن باہم مربوط ماڈلز میں تقسیم کرکے سمجھنے کی راہ ہموار کرتی ہے۔
- اردو-ہندی ادبی مکالمہ: یہ مقالہ اردو اور ہندی کی دو عظیم ادبی روایات کے درمیان ایک بامعنی تقابلی پل قائم کرتا ہے، اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ ایک ہی تاریخی دور میں یہ دونوں روایات کس طرح مختلف طریقوں سے اپنے عہد کے چیلنجز کا جواب دے رہی تھیں۔
- نظریاتی اطلاق: اس نے ثابت کیا کہ کس طرح مارکسی اور مابعد نوآبادیاتی نظریات کو جنوبی ایشیا کے مخصوص ادبی اور سماجی تناظر میں زیادہ گہرائی اور باریکی کے ساتھ لاگو کیا جا سکتا ہے۔

5.3: عصری معنویت (Contemporary Relevance)

آج بھی جنوبی ایشیا کا خطہ انہی مسائل سے دوچار ہے جن کی نشاندہی فیض اور نرالا نے کی تھی۔ ایک طرف ریاست کا جبر، سیاسی عدم استحکام، اور معاشی ناانصافی ہے، تو دوسری طرف سماج کے اندر ذات پات، مذہبی انتہا پسندی، اور عورتوں کے خلاف تشدد جیسے مسائل موجود ہیں۔

فیض اور نرالا کی شاعری ہمیں یہ یاد دلاتی ہے کہ حقیقی تبدیلی کے لیے ان دونوں محاذوں پر لڑنا ضروری ہے۔ فیض ہمیں ریاست کے سامنے اپنے سیاسی حقوق کے لیے کھڑے ہونے کا حوصلہ دیتے ہیں، جبکہ نرالا ہمیں اپنے سماج کے اندر موجود فرسودگی اور ناانصافی کے خلاف آواز اٹھانے کی جرات بخشتے ہیں۔ ان دونوں عظیم شعراء کی میراث یہ ہے کہ انہوں نے کوئی حتمی اور آسان جواب نہیں دیا، بلکہ ہمیں یہ سکھایا کہ انقلاب ایک پیچیدہ اور کثیر الجہتی جدوجہد کا نام ہے، اور یہ دونوں لڑائیاں ایک دوسرے سے گہری وابستہ ہیں اور ایک ہی وقت میں لڑنی پڑیں گی۔

5.4 : مستقبل کی تحقیق کے امکانات (Future Research Avenues)

یہ مقالہ مزید تحقیق کے لیے کئی نئے دروازے کھولتا ہے:

- **جنسیت کا تقابلی مطالعہ:** ان دونوں شعراء کی شاعری میں عورت کی نمائندگی (بطور محبوب، ماں، کامریڈ، باغی) کا گہرائی سے تقابلی مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

فطرت کا تصور: ان کے کلام میں فطرت کے استعمال کا ماحولیاتی تنقیدی (Ecocritical) تجزیہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ فطرت کو کس طرح سماجی اور سیاسی استعاروں کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

- **دیگر شعراء سے موازنہ:** فیض اور نرالا کا موازنہ ان کے دیگر ہم عصروں (مثلاً جوش ملیح آبادی، مکتی بودھ، ساحر لدھیانوی) سے کیا جا سکتا ہے تاکہ 20ویں صدی کے انقلابی شعور کی ایک زیادہ جامع تصویر سامنے آ سکے۔

باب 6: کتابیات (Bibliography)

جعفری، علی سردار۔ (1978). ترقی پسند ادب. نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔

فیض، فیض احمد۔ (2006). نسخہ ہائے وفا: کلیاتِ فیض احمد فیض. لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز۔

ملک، فتح محمد۔ (1999). فیض: فن اور فکری محرکات. اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان۔

- निराला, सूर्यकान्त त्रिपाठी। (1923). अनामिका. कलकत्ता: भारती भंडार।

- निराला, सूर्यकान्त त्रिपाठी। (1930). परिमल. इलाहाबाद: भारती भंडार।
- निराला, सूर्यकान्त त्रिपाठी। (1936). गीतिका. इलाहाबाद: भारती भंडार।
- निराला, सूर्यकान्त त्रिपाठी। (1942). कुकुरमुत्ता. इलाहाबाद: भारती भंडार।
- निराला, सूर्यकान्त त्रिपाठी। (1954). राग-विराग (चयनित कविताएँ). इलाहाबाद: साहित्य भवन।
- वर्मा, महादेवी। (1970). पथ के साथी. नई दिल्ली: भारतीय ज्ञानपीठ।
- शर्मा, रामविलास। (1973). निराला की साहित्य साधना (खंड 1-3). नई दिल्ली: राजकमल प्रकाशन।
- Eagleton, T. (1976). Marxism and Literary Criticism. London: Methuen.
- Hussain, I. (2002). Faiz Ahmad Faiz: A Biography (M. Athar Tahir, Trans.). New Delhi: Oxford University Press.
- Jameson, F. (1971). Marxism and Form: Twentieth-Century Dialectical Theories of Literature. Princeton: Princeton University Press.
- Loomba, A. (2015). Colonialism/Postcolonialism (3rd ed.). London: Routledge.
- Said, E. W. (1978). Orientalism. New York: Pantheon Books.
- Spivak, G. C. (1988). Can the Subaltern Speak? In C. Nelson & L. Grossberg (Eds.), Marxism and the Interpretation of Culture (pp. 271-313). University of Illinois Press.